مولانا محمد حبیب اللہ مختار

سیدی أنت حبیبی

فکیف الصبر عنک وأی صبر　　لعطشان من الماء الزلال
ذھب الذین یعاش فی أکنافھم　　وبقیت فی خلف کجلد الأجرب
ابکی الذین أذاقونی مودتھم　　حتی إذا أیقظونی للھوی رقدوا

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یہ غالباً ۱۹۵۳ء یا ۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن بندہ اپنے والد ماجد الحاج حکیم محمد مختار حسن خاں صاحب مدظلہ کے ہمراہ صبح سویرے مطب جارہا تھا کہ سامنے سے سبیل والی مسجد کے قریب ایک نورانی صورت بزرگ کو تشریف لاتے دیکھا‘ وہ قبلہ والد صاحب مدظلہ سے نہایت بشاشت سے ملے۔ والد ماجد نے میرا تعارف کرایا اور میرے لئے دعا کی درخواست پیش کی۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، دعائیں دیں اور آگے چل دیئے‘ لیکن نہ معلوم ان کی شخصیت میں کس قسم کی مقناطیسی کشش تھی کہ جس نے مجھے اپنا زرخرید غلام بنالیا۔ نہ جانے ان کی نگاہوں میں کس غضب کی چمک تھی کہ میں ان کا ہی ہوکر رہ گیا:

نہ جانے کس ادا سے میری جانب اس نے دیکھا تھا　　ابھی تک دل میں تاثیر نظر محسوس ہوتی ہے
درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ　　بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ

میری زندگی کا یہ سب سے مبارک دن اور سعید ترین گھڑی تھی۔ میری یہ ان سے پہلی ملاقات تھی‘ لیکن کسے معلوم تھا کہ یہی ہستی میری زندگی کا ماحصل اور خوش بختی کا نقطہ آغاز بن جائے گی اور پھر مجھے اپنا شیدائی، فدائی، دیوانہ اور پروانہ بنا کر اچانک اس طرح روپوش ہوجائے گی کہ جس کو تلاش کرتے کرتے عمرِ نوح بھی تمام

ہو جائے تو ملاقات نہ ہو سکے۔ جس کی زیارت کے لئے ہزاروں لاکھوں میل کا سفر بھی کیا جائے تو بھی ناکام و محروم ہی واپس لوٹنا پڑے۔ جس پر روتے روتے آنکھیں سوج جائیں' بے نور ہو جائیں' تب بھی حق ادا نہ ہو۔ سات سمندر آنسو بن کر بہہ جائیں تب بھی سکون وقرار میسر نہ ہو۔

امیدیں اس قدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں — دل مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
ہوائیں فصل گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں — ہوا ہوں اس قدر افسردہ رنگِ باغ ہستی سے

جی ہاں! تو میں ذکر کر رہا تھا کہ علم وعرفان کے محیط بے کران، مجسمہ زہد وایثار، پیکر تقدس وتقویٰ، کوہِ استقامت وجلالت، نابغۂ روزگار، سلف صالحین کی چلتی پھرتی یادگار، حامی توحید وسنت، ماحی شرک وبدعت، منبع فضائل وکمالات، مرجع خلائق، صبر ورضا اور توکل کی جیتی جاگتی تصویر، علم کا سمندر، عرفان کا دریا، جود وسخا کا چشمۂ صافی، مجاہد وزاہد، محقق عصر فاضل بے بدل، عالم باعمل، عارف کامل، عاشق ختم الرسل، استاذ الاساتذہ، شیخ التفسیر وشیخ الحدیث، مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعۃ العلوم الاسلامیہ) کے بانی، مہتمم، مدیر وشیخ الحدیث مجلس دعوۃ وتحقیق اسلامی کے بانی وصدر، جمعیۃ وفاق المدارس العربیۃ کے رئیس اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، سیدی وسندی، شیخی ومولائی، قدوتی وملاذی، ماویٰ وملجا، حضرت الشیخ العلامۃ مولانا سید محمد یوسف البنوری الحسینی (جنہیں آج مدظلہم العالی، زید مجدہم، دامت برکاتہم جیسے القاب لکھنے کے بجائے نور اللہ مرقدہ، قدس سرہ اور رحمہ اللہ لکھتے ہوئے دل دھڑکتا، قلم لرزتا اور ہاتھ کانپتا ہے) کی پہلی زیارت کے موقع پر ہی، قبلہ گاہی والد محترم زید مجدہم نے فرمایا: یہ فلاں شیخ الحدیث، علامہ اور بزرگ ہیں۔ عالم میں اس وقت ان کی نظیر نہیں، لوگ ابھی ان کو پہچانتے نہیں ہیں۔ ان کی قدرت ومنزلت سے ناآشنا ہیں۔ اس دارِ فانی سے ان کے کوچ کرنے کے بعد افسوس کریں گے کہ ہم ان کو پہچان نہ سکے۔

بلاشبہ صحیح فرمایا اور بجا خیال تھا' لوگوں نے درحقیقت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو پہچانا ہی نہیں۔ آج دنیا کفِ افسوس مل رہی ہے کہ اس چھپے ہوئے عارف باللہ شیخ، ہمہ گیر مکمل علمی وعملی ہستی کو ہم پہچان سکے نہ قدر کر سکے اور بے ساختہ زبان سے یہ الفاظ نکلنے لگتے ہیں:

ومن قبل مافرطتم فی یوسف

بلا مبالغہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ وسعت نظر، وسعت علم، وسعت ظرف، وسعت مطالعہ، ذکاوتِ طبع، ذکاوتِ حس، رسوخ فی العلم والعمل میں اپنی نظیر آپ تھے۔ کان وکان۔ ان جیسی ہمہ گیر اور جامع ہستی کا اس وقت عالم میں ملنا مشکل ہے۔ ایک اکیلی جان نے تن تنہا وہ کام کئے جن کو شاید کئی جماعتیں اور ادارے بھی مل کر نہ کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جیسا ہمہ گیر، محقق وعلامہ مشکل سے کہیں پیدا ہوتا ہے۔

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

حضرت شیخ قدس سرہ نے اپنی تمام تر توانائی اور صلاحیتیں اسلام اور دین کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ دین متین کی حمایت کے لئے ہمہ وقت ہمہ تن مصروف تھے۔ خدائے بزرگ و برتر نے دنیا میں بھی اس کا صلہ انہیں یہ دیا کہ متقین کا امام، صالحین کا مقتدیٰ، عشاق کا پیشوا اور فدائیین کا قائد بنا دیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ سیرت، بلند و عالی ہمت اور مکارم اخلاق وصفات کے ایسے انمول خزانے سے سرفراز فرمایا تھا کہ ان کی ذات شک و شبہ اور اختلاف سے بالاتر تھی اور اخلاقی وفطری بلندی کی معراج کو پہنچ گئی تھی۔ آپ ان کو شرافت و سیادتِ نسب کے اعتبار سے دیکھیں یا آدمیت وانسانیت کے نقطۂ کمال کی نگاہ سے، جب بھی اور جس پہلو سے بھی دیکھیں، جس معیار پر بھی پرکھیں گے، بلندیوں کی چوٹی پر پائیں گے۔ اخلاص و بے غرضی اللہ تعالیٰ نے ان کی سرشت میں اس طرح ودیعت فرمائی تھی اور رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کئے ہوئے تھی کہ اس کا جدا کرنا محال تھا۔ خصوصاً محبوبیت کی شان سے خدا نے اس طرح نوازا تھا کہ دیکھتے ہی دل میں کشش وانجذاب کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

اس پہلی زیارت کے بعد نہ معلوم کتنی مرتبہ سرِ راہ حضرت شیخ قدس سرہ کی زیارت ہوتی رہی اور پھر خوش قسمتی یوں رنگ لائی کہ یہ ناچیز تو مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں داخل ہو کر اب یہاں خادم ہے لیکن وہ اچانک خدام کو تن تنہا چھوڑ کر یہ کہتے ہوئے ہم سے رخصت ہو گئے:

نزلنا ساعةً ثم ارتحلنا　　　کذا الدنیا رحل وارتحال

اور ہم کف افسوس ملتے ہوئے پکار رہے ہیں:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا　　　یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کو

اور آج حضرت الشیخ قدس سرہ کا پسندیدہ ومحبوب کمرہ دار التصنیف جس میں آپ نے تشریف فرما ہو کر "عوارف المنن" مقدمہ "معارف السنن" اور معارف السنن جلد سادس کا ایک معتد بہ حصہ تحریر فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں اور کئی علمی کتابوں پر مقدمات تحریر فرمائے تھے، وہ کمرہ جو کبھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تشریف آوری کا منتظر رہتا تھا اور آپ کی آمد سے مہک اٹھتا تھا۔ آسمان والوں کے لئے اسی طرح چمکا کرتا تھا جس طرح زمین والوں کے لئے آسمان کے ستارے۔ وہ کمرہ آج یتیم ہے، بے نور ہے، خالی پڑا ہے، اس میں کام کرنے والے

اپنی بے بسی، بے کسی، بے چارگی و بے نوائی پر حیران و ششدر ہیں:

شریک حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی　　فقط ایک بے کسی ہے جس کو ہم اپنا سمجھتے ہیں

دارالتصنیف کے ارکان کے کان جس میٹھی آواز سننے کے عادی تھے، انہیں یقین نہیں آتا کہ اب ان کے کانوں میں وہ شیریں آواز کبھی نہ آئے گی، ان کی آنکھوں کو اس پرنور چمکتے دمکتے چہرے کی زیارت کے لئے قیامت تک تڑپنا پڑے گا۔ ان کی روح کو اس عالم ربانی کے قرب سے مستفید و محظوظ ہونے کا اب دنیا میں موقع کبھی نہ ملے گا:

اٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لئے　　یاد تیری مل گئی ہے ہم نشینی کے لئے

یہ جہاں خلیل ہے بے بقا، نہیں ہے بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل، چلی جس پہ باد خزاں نہیں

کہاں ہیں وہ علمی مجلسیں، کہاں ہیں وہ دقائق و اسرار کے حل کرنے والے کہاں ہیں وہ دستِ شفقت پھیرنے والے، روتوں کو ہنسانے والے، بے کسوں کا سہارا، مصیبت زدوں کا آسرا، بیواؤں، یتیموں، غریبوں، مسکینوں، طالب علموں، استادوں، علماء، صلحاء کے ماویٰ و ملجا اور صوفیاء، مشائخ، اولیاء، متقین، مقربین، مخلصین، مقبولین، متوکلین، قانعین، زاہدین، صابرین، عابدین اور اقطاب کے ساتھی، ہمراز، دوست اور قدر شناس، سچ کہا ہے۔ موت العالم موت العالم۔ وہ کیا گئے کہ علم و فضل، جود و سخا حلم و وقار، نظافت و طہارت، عبادت و ریاضت، حمیت و غیرت سب کو اپنے ساتھ لے گئے:

وما كان قيس هلكه هلك واحد　　ولكنه بنيان قوم تهدما

اور واقعی:

جمال ذی الأرض كانوا فی حياتهم　　بعد الممات جمال الكتب والسير

جی ہاں:

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

لیکن نہیں، نہیں، یہ میں کیا کہہ رہا ہوں، قلم کیا لکھ رہا ہے، یہ وہم ہے، یونہی خیال ہے، خواب کی باتیں ہیں، میرے شیخ، میرے مربی، میرے روحانی والد، میرے ماویٰ و ملجاء، میرے سب کچھ تو وہ سامنے سے مسکراتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ مسجد میں نگاہیں خود بخود اس طرف اٹھ رہی ہیں جہاں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ دفتر مدرسہ کی طرف جاؤ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دفتر میں تشریف فرما ہیں۔ بقول جگر مرحوم:

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آرہے ہیں وہ جارہے ہیں

وہی قیامت ہے قدِ بالا وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم جو ناپیدا ہے نظروں سے اُسے پیدا سمجھتے ہیں

اور:

مہمان ہے جس روز سے سینہ میں تیری یاد آباد ہے اجڑی ہوئی بستی میرے دل کی
اب یہ عالم ہے ذرا جب بھی کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جانِ تصور پھر حدیث دل وہی
جو کچھ بھی ہو انجام گدازِ غمِ پنہاں فی الحال تو کچھ باعث تسکین یہی ہے

ہمارے حواس وشعور پر حضرت شیخ قدس سرہ کا اس قدر تسلط ہے کہ وہ ہر وقت ہمارے درمیان چلتے پھرتے ہی معلوم ہوتے ہیں۔

صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہ وفا سے

پھر وہ تو عاشق خدا و عاشق رسول خدا تھے اور:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

اور صرف عاشق ہی نہیں بلکہ راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے مجاہد بھی تھے اور ایسے سرفروش کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ أمواتًا بل أحیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللّٰہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم ألاخوف علیھم ولاھم یحزنون﴾

لیکن دوسری طرف آنکھیں پھٹ رہی ہیں، دل ٹوٹا جارہا ہے، دماغ معطل ہے، حواس ماؤف ہورہے ہیں۔سکون کا مرکز کہیں بھی نظر نہیں آتا:

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طولِ روزِ ہجر حشر مجھ پر ہوگیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

سوائے مرگ نہیں کچھ علاجِ دردِ فراق
اجل کو ڈھونڈے پھرتے ہیں ہم دو اکیلے

یااللہ یہ کیا ہوگیا؟ یارب کیسے ہوگیا؟ ندا آتی ہے:

”کل من علیها فان، ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام“
وما محمد إلا رسول، قدخلت من قبله الرسل أفئن مات أوقتل انقلبتم علی أعقابکم“
سبحانک یارب لانقول إلا مایرضیک إنا لله وإنا إلیه راجعون، إن لله ماأعطی وله وماأخذ، اللهم اغفرله وارحمه، وعافه واعف عنه. وأکرم نزله، وأدخله الجنة جنة الفردوس، اللهم لاتحرمنا أجره، وارزقنا شفاعته، واجعلنا ممن یتبع هدیه وهداه، أمین یارب العالمین، وصلی الله علیٰ خیر خلقه محمد وصحبه أجمعین

جدائی کا بہانہ

اٹھتے جاتے ہیں اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کے بڑھانے والے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو کئی سال سے بلڈ پریشر کا عارضہ تھا‘ ایک سال قبل دل پر ہلکا سا حملہ ہو چکا تھا۔ آخر سفر میں جب جانا چاہا تو معالج خصوصی نے عرض کیا کہ آپ سفر نہ کریں۔ فرمایا: میں ٹھیک ہوں۔ دین کے کام کی ایک آگ لگی تھی جو گھر پر بیٹھنے ہی نہ دیتی تھی۔ چنانچہ ”اسلامی نظریاتی کونسل“ کے اجلاس میں شرکت کے لئے ۱۳ اکتوبر کی صبح کو اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ ۱۳ اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو دونوں وقت کے طویل اجلاسوں میں شرکت فرمائی اور حسب سابق اپنی حکیمانہ، محققانہ، عالمانہ وعارفانہ آراء سے کونسل کے ارکان کو مستفید فرمایا۔ کونسل کے روح رواں اور مجلس کی رونق تھے۔ کونسل میں آپ کی عظمت واہمیت، علم وفضل، سیرت وصورت، کردار وگفتار کے سامنے سب ماند تھے۔ ۱۴ اکتوبر کو رات دس بجے میٹنگ ختم ہوئی اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن دل پر سخت حملہ ہوا اور ایسی شدید تکلیف ہوئی جو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

بیماری کی اطلاع جیسے ہی کراچی پہنچی فوراً دعائیں، ختمات شروع ہوئے۔ پنڈی سے برابر رابطہ قائم رہا اور لمحہ لمحہ کی اطلاع ملتی رہی۔ کبھی حالت تشویشناک ہونے کی اطلاع آتی تو کبھی سنبھلنے کی۔ ۱۷ اکتوبر کی رات کو اطلاع آئی کہ طبیعت بہتر ہے اور وضو کی اجازت مل گئی ہے۔ یہاں کے بے تاب و بے قرار دلوں کو کچھ سکون

نصیب ہوا۔ ۱۷ اکتوبر کو صبح فجر کی نماز کے بعد میں دفتر مدرسہ کی طرف آیا' خیال تھا کہ پنڈی فون کر کے خیریت معلوم کروں' لیکن یہ سوچ کر کہ اتنی صبح وہاں کون گیا ہوگا، فون کرنے سے رک گیا اور سوچا کہ کچھ دیر بعد فون کرلوں گا۔ کچھ دیر بعد پنڈی سے اس حادثۂ جانکاہ، روح فرسا، وحشت اثر خبر کی اطلاع آئی اور اس طرح وہ ذات جو دوسروں کو زندگی بخشتی تھی وہ آج صبح سوا پانچ بجے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے ایک عالم کو یتیم بنا گئی اور آفتاب رشد و ہدایت جو بروز پنج شنبہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ میں مہابت آباد میں طلوع ہوا تھا۔ بروز دوشنبہ ۳ ذی القعدہ ۱۳۹۷ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو راولپنڈی میں غروب ہوگیا۔

جب یہ خبر کانوں کو پڑی تو یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنی جلدی اور پھر اچانک یہ کیسے ہوسکتا ہے' لیکن بار بار کے فون اور اطلاعات نے تسلیم کرنے پر مجبور کردیا اور اس طرح سے ہتھیار ڈالنا پڑے کہ حواس ختم، عقل گم، زبان گنگ اور شعور معطل ہوگیا۔ پھر کچھ دیر تک تو ضبط کرنے کی کوشش کی:

ملكت دموع العين ثم رددتها — إلى ناظرى فالعين فى القلب تدمع

لیکن یہ سعی لا حاصل تھی اور جلد ہی صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔ آنکھوں سے آنسو، زبان سے آہیں جاری ہوگئیں۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیوٹاؤن سے آہ و بکا، گریہ و نالہ کی دلخراش آوازیں آرہی تھیں، کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ ہر شخص اپنی جگہ پر مجسمۂ حیرت اور سراپا غم والم بنا ہوا تھا۔ واقعی اگر خدا کی طرف سے صبر نہ ملتا تو نہ معلوم کتنے دھڑکتے دل بند ہوجاتے' کتنے ہی مسکراتے چہرے ماند پڑ جاتے' کتنے گھرانے اجڑ جاتے، کتنے ہی بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوجاتیں۔ درحقیقت یہ مصیبت ہی ایسی اندوہناک تھی:

صبت علی مصائب لو أنها — صبت علی الأیام صرن لیالیا

صبرت علی مالو تحمل بعضه

جبال حنین أو شكت تتصدق

یہ روح فرسا، اندوہناک، وحشت ناک خبر جنگل کی آگ کی طرح پاکستان میں پل بھر میں پھیل گئی اور ہزاروں عقیدت مند، لواحقین، متعلقین، اقرباء و اعزہ، روحانی اولاد راولپنڈی میں جمع ہوگئی اور تین بجے حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

جنازہ سے قبل غسل کے بعد جب دیدار کے لئے لوگوں کو موقع دیا گیا تو عینی شاہد بتلاتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انتہائی سکون کے عالم میں آرام فرما رہے ہیں' حسین و جمیل چہرہ اسی آب و تاب نور و سرور کے ساتھ ناظرین کے سامنے تھا اور:

نشان مردِ مومن با تو گویم

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

جہاز کی خرابی کی وجہ سے جہاز کے روانہ ہونے میں تاخیر ہوتی رہی' بالآخر رات آٹھ بجے کے قریب جہاز آ گیا' جب جہاز رن وے پر رکا تو ہم لوگ وہیں کھڑے تھے۔ جہاز کے رکتے ہی جب ڈگمگاتے قدم آگے بڑھے تو دل بے قابو ہو رہا تھا' ٹھنڈا پسینہ جاری تھا اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے' اور اچانک ایسا چکر آیا کہ اگر قدم نہ رکتا تو گر جاتا۔ چند لمحوں بعد حواس قابو میں آئے تو پھر آگے بڑھے۔ اس وقت بجائے چمکتے روشن، پرنور چہرہ کے سفید تابوت سامنے تھا، جس کے آتے ہی ایک آہ و بکا کا بازار گرم ہو گیا، نہ معلوم مخلوق خدا کہاں سے امنڈ آئی تھی۔ اہالیان کراچی نے اتنا بڑا مجمع شاید کسی جنازہ میں نہ دیکھا ہوگا۔ ایئر پورٹ سے نہ معلوم کہاں تک موٹروں، ٹیکسیوں اور اسکوٹروں اور موٹر سائیکلوں پر سوگواروں، یتیموں اور پروانوں کا ایک ہجوم ہی ہجوم تھا۔ ہر آنکھ پرنم اور ہر دل شکستہ تھا۔ افتاں و خیزاں نیوٹاؤن پہنچے تو گاڑی اندر لانا مشکل ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کی تگ و دو کے بعد تابوت گھر لے گئے' وہاں ایک کہرام برپا تھا۔ تابوت کھلا اور بے قرار دلوں کی بے قراری اور بڑھ گئی۔ آنسوؤں کی جھڑی اور تیز ہو گئی، آہ و بکا کی آواز سے فضا تھرانے لگی۔ بمشکل تمام جلدی جلدی جنازہ کا انتظام ہوا' چونکہ برادرم مولوی سید محمد بنوری نے پنڈی میں نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ اس لئے محترم جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے ان کی اجازت سے نماز جنازہ پڑھائی اور سوگواروں کا بے پناہ ہجوم پروانہ وار اس ذات قدسی صفات کو اس کی آخری آرام گاہ کی طرف لے چلا، اور اس طرح وہ منبع نور جو زندگی بھر تو مسجد کے بائیں جانب قیام پذیر رہا۔ خدا نے اسے اب مسجد کی دائیں جانب منتقل کر دیا۔ جہاں ہر وقت سلام پڑھنے والوں، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

عشق رسول ﷺ کا یہ حال تھا کہ روضہ اقدس (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی خاک پاک محفوظ کر رکھی تھی اور ساتھ ہی چراغ میں جلنے والا تیل اور بیت اللہ کے غلاف کا ٹکڑا اور خانہ خدا کی چھت کی لکڑی اور جس ملفوف میں یہ قیمتی اشیاء محفوظ کر رکھی تھی اس پر یہ وصیت تحریر فرما رکھی تھی کہ اس خاک پاک کو میری آنکھوں کا سرمہ، تیل کو کفن کا عطر، غلاف کعبہ کو کفن کی زینت اور خانہ خدا کی چھت کی لکڑی کو قبر میں رکھ دیا جائے۔ الحمد للہ! سب وصیتوں پر حسب ہدایت عمل کیا گیا۔

اور اس طرح سے ہمارے وہ شیخ جن سے ابھی ہم صحیح معنوں میں مستفید بھی نہ ہو سکے تھے کہ وہ ہماری ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے:

روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق — موت کا جب وقت آتا ہے ٹلتا ہی نہیں

یہ مدام موسمِ گل کہاں کرے کوئی کیا گلۂ خزاں
یہ ستم ہے گردشِ آسمان بچے اس سے پیر و جواں نہیں

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کفِ دست ساقی چھلک پڑا
رہیں دل کی دل میں ہی حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا
افسوس کہ دل شوقِ حضور میں ہے بے تاب   دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی
لیکن نہیں:
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما
دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا، تو اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کے کرم میں کیا ہے کمی، بدلی ہے وہی برسات وہی

اللهم اغفرله وارحمه، وعافه واعف عنه وأكرم نزله، ووسع مدخله، واجعله من ورثة جنة النعيم، واجعل مرقده روضة من رياض الجنة وأفض عليه من شآبيب رحمتك وعفوك ورضوانك، وغفرانك وأدخله الجنة جنة الفردوس بغير حساب، اللهم لاتحرنا أجره ولاتفتنا بعده، وأسقنا من علومه وبركاته وتقواه. آمين يارب العالمين بفضلك وكرمك وجودك وإحسانك:

ویرحم اللّٰه عبداً قال آمینا
ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين برحمتك ياأرحم الراحمين

☆......☆......☆